تعارف وتبصرہ:

اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید

(معروف نومسلم سکالر محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ)

سفیر اختر*

اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید (معروف نومسلم سکالر محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ)، محمد ارشد (مؤلف)، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار - لاہور، سن اشاعت: ۲۰۱۱ء، صفحات: ۵۸۷، قیمت مجلد: ۱۰۰۰ روپے

"اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید" "جہات الاسلام" کے سابق مدیر جناب محمد ارشد کا مناسب حک و اضافہ کے ساتھ شائع ہونے والا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر شعبہء علومِ اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی -لاہور) نے انہیں ڈاکٹریٹ کی سند کا مستحق قرار دیا ہے۔ مقالے کا مرکزی موضوع تو معروف نومسلم آسٹرین سکالر علامہ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویئس، ۱۹۰۰-۱۹۹۲ء) کے سیاسی افکار کا تنقیدی مطالعہ ہے، تاہم اُن کے فکر و دانش پر معاصر اہلِ علم کے نقد وتبصرہ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے، جن میں مسلم اہلِ علم کے ساتھ بعض معروف مستشرقین بھی شامل ہیں، اور مسلمان اہلِ علم میں علامہ اسد کی فکری وسعت (wave-length) پر سوچنے والوں کے ساتھ روایت دوست علماء و مشائخ اور جدیدیت پسند اہلِ قلم بھی شامل ہیں۔ اِس طرح نو آبادیاتی دور کے اختتام پر اسلامی ریاست کے قیام کی دعوت دینے والوں اور اِس مقصد کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کا اسلامی ریاست کی ماہیت اور اِس کے ذیلی اداروں کی تشکیل اور دائرہ ہائے کار پر زاویہء نظر پوری طرح سامنے آ گیا ہے۔

جناب محمد ارشد نے آٹھ ابواب اور حاصلِ بحث کی شکل میں مقالہ مرتب کیا ہے۔ انہی کے الفاظ میں مقالے کے جملہ ابواب کا خلاصہ یہ ہے:

اس مقالہ کو ۸ (آٹھ) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بابِ اوّل "مقدمہ" پر مشتمل ہے۔ اِس باب میں اسلامی ریاست کا ایک تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کی تاسیس، نبوی ﷺ ریاست کے اصول ومبادی اور خلافتِ راشدہ کے اصولِ حکمرانی، نیز اس کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے

* مدیر ششماہی "نقطہ نظر" انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، پاکستان۔

مابعد ادوار میں اسلامی ریاست کی نوعیت و ماہیت میں رونما ہونے والے تغیرات اور بطورِ خاص جدید مغرب کے زیرِ اثر مسلم ممالک میں سیکولر قومی ریاستوں کے ظہور اور ان ممالک میں مغربی اقدار و معیارات کے مطابق معاشرہ و ریاست کی تشکیلِ نو کے عمل پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اِس سلسلہ میں آخر میں جدید مسلم سیاسی فکر کے ارتقاء پر نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اسلامی ریاست کی تشکیلِ نو کے بارے میں محمد اسد کے پیش رو اور معاصر مسلم مصلحین و مفکرین کے خیالات و آراء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم (محمد اسد :سوانح اور فکری تشکیل) میں محمد اسد کے سوانح بیان کیے گئے ہیں اور ان کی ذہنی و فکری تشکیل میں کارفرما عوامل پر بحث کی گئی ہے۔ اِس میں اسد کے خاندانی وتہذیبی پس منظر، تعلیم وتربیت، قبولِ اسلام، مسلم ممالک میں قیام اور احیاے اسلام کے لیے علمی وفکری اور عملی جدوجہد وغیرہ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اِس باب میں جرمن، انگریزی اور عربی واُردو مآخذ بالخصوص محمد اسد اور اُن کی اہلیہ کی اُن کے احباب سے ہونے والی مراسلت (غیر مطبوعہ)، نیز محمد اسد سے میل ملاقات رکھنے والے حضرات کے انٹرویوز کی مدد سے محمد اسد کے سوانح کا ایک مربوط اور جامع خاکہ ترتیب دیا گیا ہے۔

باب سوم (تصانیف :تعارف وتبصرہ) محمد اسد کی تصانیف (کتب و مقالات) کے تعارف وتبصرہ پر مشتمل ہے۔ اِس میں اُن کے ترجمہ وتفسیر قرآن پر نسبتاً زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اِس باب میں محمد اسد کے علمی وفکری دین (contribution) کے مسلم اہلِ دانش اور مغرب کے غیر مسلموں کے ذہن وفکر پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

باب چہارم (پاکستان کے اسلامی تشخص کی تشکیل میں محمد اسد کا کردار) میں تحریکِ پاکستان میں محمد اسد کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ان کے تصورِ پاکستان پر بحث کی گئی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت اسلامی دستور سازی کی راہ میں درپیش مشکلات وموانع کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی دستور کے خاکہ کی تدوین میں محمد اسد کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پاکستان کی اسلامی تشکیل (اسلامائزیشن) کی غرض سے اُن کے تجویز کردہ لائحہ عمل پر بحث کی گئی ہے۔

باب پنجم (اسلامی ریاست :مقصدِ وجود، نوعیت و ماہیت اور اداراتی تشکیلات)، ششم (ریاست اور شہری: حقوق وفرائض) اور ہفتم (اسلامی ریاست میں قانون سازی اور اجتہاد) میں محمد اسد کے نظریہء اسلامی ریاست کے علاوہ اُن کے تصورِ اجتہاد پر بحث کی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر ان ابواب میں محمد اسد کے نظریہء اسلامی ریاست کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ "خلاصہء بحث ونتائج" کے عنوان کے تحت اِس تحقیقی کاوش کے حاصلات ونتائج پیش کیے

گئے ہیں۔ آخر میں بطورِ ضمیمہ علمِ حدیث میں محمد اسد کی خدمات (دفاعِ سنت اور ترجمہ و شرح صحیح البخاری) اور اسلام اور مغرب سے متعلق مختلف مسائل ---سے متعلق محمد اسد کے افکار و خیالات کے تنقیدی مطالعہ پر مشتمل اِس مقالہ نگار کے دو مقالات، جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی -اسلام آباد کے سہ ماہی مجلّہ "فکر و نظر "میں طبع ہو چکے ہیں، شامل کیے گئے ہیں۔ (''اسلامی ریاست کی تشکیل''، صفحات ۲۹-۳۰)

جناب مؤلف نے مندرجہ بالا اقتباس کے آغاز میں نہایت واضح انداز میں مقالے کے آٹھ ابواب کا ذکر کیا ہے، مگر اِن کی تفصیلات مہیّا کرتے ہوئے باب ہشتم کا ذکر نہیں کیا۔ حقیقتاً اُنہوں نے جس ضمیمہ کا ذکر کیا ہے، اِس کا دوسرا حصہ (اسلام اور مغرب : نومسلم دانش ور محمد اسد کی نظر میں) ہی باب ہشتم ہے، اور ضمیمہ کا پہلا حصہ شاملِ مقالہ ہونے سے رہ گیا ہے۔ (یہ غتر بودگی تعجب انگیز ہے۔)

محققانہ محنت اور چھان پھٹک پر مبنی اِس مقالے میں علامہ محمد اسد کے دینی و سیاسی افکار کا موازنہ معاصر دینی فکر سے کیا گیا ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے، اور اِس کے دستور کے حوالے سے جس واضح ذہن اور مربوط سوچ کے ساتھ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) نے رہنمائی کی، اُس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ جناب مقالہ نگار نے دونوں حضرات کے باہمی روابط، اشتراکاتِ فکر و عمل اور سیّد مودودی کی جانب سے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کی دہائیوں میں علامہ محمد اسد کی علمی و فکری approach کی تعریف و توصیف نقل کی ہے، گو بعد میں علامہ محمد اسد کے فکری ارتقاء کے بعض نتائج سے سیّد مودودی اتفاق نہ کر سکے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تعلقات و روابط اور ایک دوسرے کے کام کے اعتراف میں پہلے جیسی گرم جوشی قائم نہ رہی تھی۔ سیّد مودودی نے دسمبر ۱۹۳۶ء کے ایک خط میں چودھری نیاز علی خاں کے نام لکھا تھا" :جناب محمد اسد سے حیدر آباد دکن میں ایک مرتبہ مل چکا ہوں۔ اُن کی کتاب Islam at the Crossroads اور ترجمہ بخاری دونوں میری نظر سے گزری ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دورِ جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں، ان میں یہ سب سے زیادہ قیمتی ہیرا ہے۔ اسلام کی اسپرٹ اِس میں پوری طرح حلول کر گئی ہے اور اسلام کو اس نے ان علماء سے زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے جو (پچاس) پچاس برس سے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔"

۱۹۶۳ء میں اسلام اور ریاست و سیاست کے موضوع پر علامہ محمد اسد کا ایک مختصر کتابچہ Islam and Politics شائع ہوا۔ جناب محمد ارشد کے مطالعہ و تحقیق کی رُو سے "یہ مختصر کتابچہ اس موضوع پر اُن کی جملہ تحریروں کا گویا بہترین اور جامع ملخص ہے "(ص ۳۲۳)۔ اِس کا اُردو ترجمہ ماہنامہ "ترجمان القرآن "(لاہور) میں شائع ہوا (شمارہ نومبر-دسمبر ۱۹۶۴ء، صفحات ۹۸-۱۰۸)۔ مترجم عمر فاروق غالباً سیّد مودودی کے صاحبزادے سیّد عمر فاروق

مودودی ہیں۔

۲۵ فروری ۱۹۶۱ء کے ایک مکتوب میں مریم جمیلہ، جنہوں نے ابھی اپنے قبولِ اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا، کے نام سیّد مودودی نے لکھا تھا:

> I have great respect for his exposition of Islamic Ideas and especially his criticism of Western culture and its materialistic philosophies. I am sorry to say, however, that although in the early days of his conversion, he was a staunch, practicing Muslim, gradually he drifted close to the ways of the so called 'progressive' Muslims, ...
>
> (انہوں (محمد اسد) نے جس طرح اسلامی افکار کی توضیح کی، اور مغربی ثقافت اور اس کے مادی فلسفوں پر تنقید کی، اس کے لیے میں اُن کا احترام کرتا ہوں، مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے وہ اپنے قبولِ اسلام کے ابتدائی عرصے میں تو نماز روزے کے پابند بڑے مضبوط مسلمان تھے، مگر بتدریج وہ اُن مسلمانوں کے قریب ہوتے چلے گئے جنہیں 'ترقی پسند' کہا جاتا ہے۔

اِسی سلسلے میں سیّد مودودی نے علامہ محمد اسد کی بعض مزاجی کمزوریوں کی جانب بھی اشارے کیے ہیں۔

سیّد مودودی نے ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد دکن سے جمال پور - پٹھان کوٹ منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تو چودھری نیاز علی خان کی وقف کردہ جائداد (دارالاسلام ٹرسٹ) کی دیکھ بھال کے لیے جو سات رکنی وقف کمیٹی قائم کی گئی، اِس میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ علامہ محمد اسد بھی شامل تھے۔ علامہ محمد اسد دارالاسلام پٹھان کوٹ آتے جاتے رہے، اور اُنہوں نے یہاں مستقل سکونت کا منصوبہ بھی بنایا جو بوجوہ عملی جامہ نہ پہن سکا۔ یہ تو واضح نہیں کہ دارالاسلام کے نظم و نسق کے چلانے میں اُنہوں نے کبھی کوئی کردار ادا کیا تھا یا سیّد مودودی کے کاموں میں کوئی حصہ لیا تھا، تاہم صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یہی حقیقت ابھرتی ہے کہ وقف کی رجسٹریشن کی قانونی ضرورت کے تحت انتظامی کمیٹی وغیرہ بنادی گئی تھی، مگر اصلاً وقف کے جملہ انتظامی معاملات واقف چودھری نیاز علی خاں ہی کے ہاتھ میں تھے، اور اُن کی رائے کے مطابق ہی معاملات چلتے تھے۔

جمال پور - پٹھان کوٹ کے "دارالاسلام ٹرسٹ "میں بیٹھ کر سیّد مودودی نے علمی و فکری جدوجہد کو پورے ملک کی سطح پر پھیلانے، نیز اپنے پیشِ نظر کاموں میں وسیع تر تعاون کے حصول کے لیے ایک ادارے دارالاسلام کا اعلان کیا، اور اِس کے مقاصد کی توضیح کے لیے ایک نظام نامہ بھی مرتب کیا۔ یوں "دارالاسلام ٹرسٹ "اور "ادارہ دارالاسلام "دو الگ الگ تنظیمیں تھی، اور ان کے دائرہ ہائے کار بھی جدا جدا تھے۔ جناب مقالہ نگار نے اِن دونوں

میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔ انہوں نے ثانی الذکر کو اوّل الذکر کی توسیع قرار دیا ہے۔") اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید"، صفحات ۱۵۲-۱۵۴)

جناب مقالہ نگار نے مقالے کے باب اوّل (مقدمہ) میں پس نو آبادیت دور میں اسلامی ریاست کی تشکیل نو کے ضمن میں سیّد مودودی کے نظریات ریاست وحکومت پر جامع انداز میں گفتگو کی ہے (صفحات ۱۰۵-۱۱۹)۔ مزید براں اُنھوں نے علامہ محمد اسد کے سیاسی افکار کا موازنہ سیّد مودودی کے زاویہءِ نظر سے بھی کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اُن کی رائے یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد دستور سازی کی رعایت سے " : ضرورت ایسے دستوری خاکے کی تھی جو ایک طرف حقیقی معنی میں اسلامی ہوتا، دوسری طرف عصرِ حاضر کے تمام عملی تقاضوں کو اِس میں پیش نظر رکھا جاتا۔ ---اس علمی وفکری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بانی جماعت اسلامی سیّد ابو الاعلیٰ مودودی اور علامہ محمد اسد نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اِن دونوں مفکرین نے اسلام کے سیاسی نظریے کی توضیح وتشریح جدید علم السیاست کی زبان واصطلاحات میں کی تاکہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے قابلِ فہم ہو سکے۔ دونوں نے اسلامی دستور کے بنیادی اصول کو منقح کر کے پیش کیا اور موجودہ زمانے کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے عملی طور پر اطلاق وانطباق کی صورتوں کی نقشہ گری بھی کی "(ص ۳۳۰)۔ جناب مؤلف نے دونوں حضرات کے کُلی فکری اشتراکات اور جزوی اختلافات کا بھی موقع بہ موقع ذکر کیا ہے۔

سیّد مودودی کے ہاں ہمارے بعض دوسرے اہلِ دانش کی طرح مثالیت پسندی سے مشاہدہ وتجربہ کی بنیاد پر واقعیت پسندی تک کے سفر کی متعدد شہادتیں ملتی ہیں۔ اُن کے مخالفینِ محض نے تو اِسے ظالمانہ طور پر زمانہ سازی کی حکمتِ عملی قرار دیا ہے، مگر حقیقتاً عملی زندگی کے تقاضوں کے مطابق اجتہادی آراء کی تبدیلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اُن کی تبدیل شدہ اجتہادی آراء میں سے ایک امیر کے اختیارات بہ مقابلہ مجلس شوریٰ کا معاملہ ہے۔ جب اُنھوں نے اپنا مقالہ "اسلام کا نظریہءِ سیاسی "(تالیف :۱۹۳۹ء) لکھا تو وہ مجلس شوریٰ کی رائے کے بالمقابل امیر کو حق استرداد دیتے تھے۔ جناب محمد ارشد نے اِس مبحث پر اپنے مطالعے کا یہ نچوڑ پیش کیا ہے:

سیّد مودودی کے نزدیک مجلسِ شوریٰ کی حیثیت امیر/ صدرِ ریاست کے مشیر کی ہے، جس کے مشوروں کو تبدیل یا رد کرنے کا اختیار امیر کو حاصل ہے۔ اُن کی رائے میں عموماً مجلس شوریٰ کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوں گے، تاہم امیر مجلسِ شوریٰ کی اکثریت یا اس کے اجماع (اتفاق رائے) کے فیصلوں کا پابند نہیں ہے، بلکہ اُس کو یہ حق حاصل ہے کہ "اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔ اور امیر کو یہ بھی حق ہے کہ پوری مجلس سے

اختلاف کرکے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔ "سیّد مودودی کی رائے میں مجلس شوریٰ کے فیصلوں کو قبول یا رد کرنے سے متعلق صدرِ ریاست کے اختیارات کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی قطعی حکم موجود نہیں ہے، البتہ خلافتِ راشدہ کے تعامل سے علماے اسلام نے بالعموم یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امیر نظمِ ریاست کا اصل ذمہ دار ہے اور وہ اہل الحل والعقد سے مشورہ کرنے کا پابند ہے، مگر اِس بات کا پابند نہیں کہ اُن کی اکثریت یا ان کی متفقہ راے پر ہی عمل کرے۔ دوسرے لفظوں میں اُس کو "ویٹو" کے اختیارات حاصل ہیں، تاہم اُن کی راے میں اس اصول پر عمل کرنا خلافتِ راشدہ میں ہی ممکن تھا، اور آج اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہم انتظامیہ کو مقنّنہ کی اکثریت کے فیصلوں کا پابند کریں۔ "(صفحات ۱۱۳-۱۱۴)

جناب محمد ارشد نے مندرجہ بالا اقتباس کے آغاز میں جو کچھ لکھا، وہ سیّد مودودی کے بنیادی مقالے "اسلام کا نظریہء سیاسی "کے مندرجات پر مبنی ہے، اور اُن کا یہ مقالہ اصل متن اور انگریزی ترجمے کی صورت میں تسلسل کے ساتھ جماعتِ اسلامی پاکستان، اور اِس کے زیرِ اثر اشاعتی اداروں کی جانب سے شائع ہوتا رہا ہے، مگر اِس کے متن یا حاشیے میں سیّد مودودی نے خود کوئی تبدیلی کی، اور نہ جماعتِ اسلامی پاکستان کے کسی ذمہ دار ہی نے اِس جانب توجہ دی۔ چنانچہ سیّد مودودی کے قارئین کا ایک طبقہ "اسلام کا نظریہء سیاسی "ہی کو سیّد مودودی کے سیاسی فکر و دانش کا پہلا اور آخری مظہر سمجھتا رہا، اور مولانا ظفر احمد انصاری (م ۱۹۹۱ء) نے جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ آمریت میں "نظامِ حکومت کے بارے میں انصاری کمیشن کی رپورٹ "(اسلام آباد : حکومتِ پاکستان، ۱۹۸۳ء) میں اِس کتابچے کا حوالہ دیتے ہوئے امیر کے حقِ استرداد کی تائید کی تھی۔ "اسلام کا نظریہء سیاسی "میں پیش کردہ امیر کے حقِ استرداد کے بالمقابل سیّد مودودی کے دورِ آخر کی رائے کو اہمیت حاصل ہونا چاہیے۔ سیّد مودودی کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ جماعتِ اسلامی پاکستان کا امیر، بصورتِ اختلاف مجلسِ شوریٰ کی اکثریتی رائے کا ہی پابند ہوتا تھا۔

سیّد مودودی اور علامہ محمد اسد کے تقابلی مطالعے کے لیے جناب محمد ارشد نے خاصا وسیع مطالعہ کیا ہے، ایک موقع پر اُنہوں نے جمعیت الفلاح - کراچی کے انگریزی ماہنامے The Voice of Islam کو "جماعتِ اسلامی کا ترجمان انگریزی مجلّہ "قرار دیا ہے (ص ۱۶۸) ، جو حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہے۔ البتہ اِس مجلّے کی ادارت اور مندرجات میں بعض اُن دوستوں کا حصہ ضرور تھا جو جماعتِ اسلامی پاکستان سے ذہنی ہم آہنگی (اور عملی وابستگی بھی) رکھتے تھے۔

اِسی طرز کا معاملہ انجمن اسلامیہ پنجاب -لاہور سے کیا گیا ہے۔ ایک جگہ اقتباس نقل کیا گیا ہے جس میں سیّد محسن شاہ ایڈووکیٹ کا تعارف اِس انجمن کے سیکریٹری کے طور پر کرایا گیا ہے، مگر جناب مؤلف نے "انجمن اسلامیہ "کے ساتھ اپنے طور پر یہ تصحیح کردی ہے :(کذا :انجمن حمایت اسلام) (ص ۱۵۷)۔ انجمن اسلامیہ اور انجمن حمایت اسلام اپنے اپنے طور پر کام کرنے والی دو الگ الگ تنظیمیں تھیں اور اوّل الذکر انجمن حمایتِ اسلام -لاہور سے کوئی پندرہ برس پہلے قائم کی گئی تھی۔ (اول الذکر کے تعارف کے لیے دیکھیے :احمد سعید، "مسلمانانِ پنجاب کی سماجی و فلاحی انجمنیں :ایک تجزیاتی مطالعہ"، لاہور :ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، مارچ ۲۰۰۴ء، صفحات ۱-۱۹)

مقالے کا ہر باب اور اِس کے مرکزی مباحث "دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است "کے مصداق ہیں، مگر ایک دو باتوں ہی نے "جہات الاسلام " کی کافی جگہ لے لی ہے۔ فی الحال اسی پر بات ختم کی جاتی ہے کہ علامہ محمد اسد کے سیاسی افکار نے اُن سبھی اہلِ قلم کی توجہ حاصل کی ہے جنہوں نے دورِ جدید میں اسلامی ریاست کی ماہیت اور اِس کے ادارات کو کسی بھی زاویے سے موضوع بحث بنایا ہے، مگر ہم اپنے محدود مطالعے کی بنیاد پر یہ کہنے میں شاید غلط نہ ہوں گے کہ زیرِنظر مقالہ "اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید -معروف نومسلم سکالر محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ ' اپنے موضوع پر مفصل ترین اور جامع ترین کاوش ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ایڈیٹنگ کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کے باوجود علمی اور اسلامی دینی حلقوں میں اِسے دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

کاغذ، کتابت اور طباعت ہر لحاظ سے مقالہ مناسب انداز میں چھپا ہے، البتہ پروف ریڈنگ کا معیار مزید بہتر ہوتا تو کہیں کہیں جو بدمزگی پیدا ہوجاتی ہے، قاری اِس سے بچ جاتا۔ ایک اور کمی ایسی علمی کاوش کی اشاریہ کے بغیر اشاعت ہے۔ اشاریہ بنانے میں مؤلف / اشاریہ نگار کو تو خاصی محنت کرنا پڑتی ہے، مگر قاری کے لیے یہ نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتا۔ دوسری اشاعت کو اشاریے کے ساتھ منصۂ شہود پر آنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆